چارلس ڈکنز کا فن ...... تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر عظمیٰ ریاض، صدر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پی جی کالج برائے خواتین سمن آباد، لاہور

Abstract

In this article the art of writing of Charlse Dicknens is being discussed. He has impressed many writers of world literature by his diction that he uses in his fiction novels and short stories.

چارلس ڈکنز ایک بہت محنتی آدمی تھا۔ ڈکنز کی شہرت اور اس کا فن ایک نہ رکنے والا کارواں ہے جو مسلسل چل رہا ہے۔ چارلس ڈکنز روسو، گوئٹے، ٹالسٹائی اور دوستوئیفسکی کا ایک پسندیدہ مصنف تھا اور اس سے انہوں نے بہت فیض حاصل کیا۔ زندگی کے دریا میں ڈوبتے اُبھرتے کرداروں کی تشکیل کی۔ ان کے مصائب، ان کی خوشیاں، چارلس ڈکنز کے تخیل اور اسلوب سے اس طرح اُبھری ہیں کہ وہ جاوداں بھی ہوگئیں۔

چارلس ڈکنز کی مشہور کتابیں جن سے اسے زندگی ہی میں لازوال شہرت ملی وہ یہ ہیں:

۱۔	پک وک پیپرز	۲۔	اولیور ٹوسٹ
۳۔	گریٹ ایسپکٹیشن	۴۔	اے ٹیل آف ٹوسٹیز
۵۔	ڈیوڈ کوپر فیلڈ	۶۔	Sketches by Boz
۷۔	A Chirismas Coral	۸۔	Bleak House
۹۔	Hard Times	۱۰۔	Our Mutual Friend

اس کے علاوہ ۱۱ ناول اور بے شمار کہانیاں، ڈرامے، مضامین اور خاکے بھی لکھے۔ ڈکنز کے پسندیدہ موضوعات لندن، لندن کے لوگ، لندن کی زندگی، انسان اور اس کے دکھ درد، اس کی زندگی کے نشیب و فراز، خوشیاں، کمینگیاں، سازشیں اور وہ سب جو انسان کرسکتا ہے ان سب کو اپنی تحریروں میں پیش کیا۔

چارلس ڈکنز نے بالزاک، سروانٹیز، وکٹر ہیوگو اور جان شیکسپیئر سے بڑا فیض حاصل کیا۔ ان کی تحریروں سے متاثر ہوا اور دوستوئیفسکی، تھامس ہارڈی، ایڈگر ایلن پو، ٹالسٹائی جارج اور ویل پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

چارلس ڈکنز ادب میں قاری کو دائمی تاثرات سے نوازتا ہے اس کے نظریات کچھ یوں ہے کہ:

''ادب کا مقصد خوش کرنا ہے انسان کی زندگی کے بارِ عظیم کو ہلکا کرنا، ادب کا مقصد یہ ہے وہ چند لمحوں کے لیے انسان کو اس کے غم، اس کے گناہ، اس کی شکستہ امیدیں اور دوسرے تلخ پہلو بھلا دے۔'' [۲]

چارلس ڈکنز کا اسلوب:

چارلس ڈکنز کا اسلوب بہت سادہ اور شاعرانہ ہے وہ انگریزی اشرافیہ کی بناوٹی زندگی پر طنز کرتا ہے اس کی آنکھ لندن کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیتی ہے۔سکول، ہوٹل، مسافر خانے، بندرگاہ، جہاز، جہازوں کے ملاح، مچھیرے، دریائے تھیمز کے کنارے بسنے والے مفلس، لندن کی گلیوں میں بیٹھی عورتیں، گرجا گھروں میں بھیک مانگنے والے لوگ، غریبوں کی بستیاں، امرا کا فرنیچر، مضافات کے لوگ، غرض اس کی تحریروں میں ۱۸ ویں صدی کا انگلستان اور لندن سانس لیتا دکھائی دیتا ہے۔

چارلس ڈکنز نے ساری زندگی ایک جن کی طرح تخلیقی کام کیا۔ اس نے طویل ناول لکھے۔ رسالے نکالے، کچھ رسالوں کی ادارت کی، کچھ عرصہ ایک روزنامے کو بحیثیت مدیر چلایا کچھ سہ ماہی رسالوں میں قسط وار مضامین لکھے۔محفلوں میں تقاریر کیں۔ ادبی تقریبوں میں مقالے پڑھے جلسوں میں اپنے ناولوں کے مناظر کی ڈرامائی تشکیل کی ان اجلاس کو ریڈنگ شوز کا نام دیا گیا تھا۔ یہ شوز کرنے میں اس نے دو بار امریکہ کا دورہ کیا جہاں اس کا ایک سربراہ مملکت کی طرح استقبال کیا گیا۔ ۲۰ میل روزانہ گھڑسواری کی، محفلوں میں ڈانس کیا۔ بچوں کو خوش کرنے کے لیے کرتب سیکھے اور پھر محفلوں میں یہ کرتب دکھائے۔ تھیٹر میں اداکاری کی محفلوں میں ڈانس کیا۔ چارلس ڈکنز نے یوں داد سمیٹی کہ شاعر اس کا منہ دیکھتے رہے اور لندن کے ہر چھوٹے بڑے کا محبوب بن گیا۔ چارلس ڈکنز کے اخبار میں قسط وار چھپنے والے ناول جب کتابی شکل میں چھپ کر مارکیٹ میں آئے اور اس کا نام گلی گلی گونجنے لگا تو اس نے محفل میں جا کر ناول پڑھنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ لوگوں کے ہجوم میں سٹیج پر آتا اور ڈرامائی انداز میں ناول کے خاص حصے پڑھنا شروع کر دیتا۔ لوگ سانس روک کر اس کی طرف دیکھتے اور بت بن جاتے۔ بات یہاں ختم نہیں ہوئی وہ کچھ نسوانی کرداروں کو بھی سٹیج پر لے آتا اور ناول کو باقاعدہ سٹیج پر Perform کرتا تھا۔ لوگ بے چینی سے اس تاریخ کا انتظار کرتے جب چارلس ڈکنز نے اپنا ناول پڑھ کر سنانا ہوتا کہا جاتا ہے کہ اسے ہر قسم کے کردار کرنے پر بڑا عبور حاصل تھا۔

کارلائل کا یہ کہنا ہے:

> ''وہ ہر بڑے اداکار سے بڑا اداکار تھا۔ ایک ایسا اداکار جو ایک ہیٹ کے نیچے پورا تھیٹر لے کر آتا تھا۔''[۳]

چارلس ڈکنز بہت محنتی آدمی تھا ایک کتاب ختم کر کے دوسری کتاب کا مسودہ تیار کرنا شروع کر دیتا وہ لوگوں کی دلچسپی کے لیے لکھتا تھا اور اس کی نظر لوگوں کے ردِعمل پر رہتی تھی۔ وہ ماہانہ ہفت روزہ اور روزنامہ اخباروں کے لیے لکھتا تھا۔ ڈکنز نے بہت لکھا اور معیاری لکھا باوجود اس کے کہ وہ مسلسل لکھتا تھا۔ اس نے اپنی تحریروں کا معیار کم نہیں ہونے دیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس نے اپنے ناولوں میں انسانوں کی زندگی کی عکاسی کی۔ اس کے سارے ناول اس کی اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدے پر مبنی ہیں ہر دور کے قاری نے اس کی تحریروں میں اپنے آپ کو موجود پایا۔ چارلس ڈکنز کے سارے ناولوں میں لندن اور اس کے گردونواح کا سارا علاقہ سانس لیتا دکھائی دیتا ہے۔ جب ڈکنز نے امریکہ کا دورہ کیا تو پریس والوں نے سرخیاں لگائیں کہ ڈکنز کا مطلب لندن اور لندن کا مطلب ڈکنز ہے۔ رچرڈ ڈبلیو لونگ نے ایک طویل مضمون ''انگلینڈ اور چارلس ڈکنز'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ ڈکنز کے ناولوں میں انگلینڈ اور لوگوں کے مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ یہ لکھتا ہے کہ:

''ڈکنز خود فیکٹری میں کام کرتا رہا، کلرکی کی، عدالت میں رپورٹر رہا، اخبار میں کام کیا۔ ہوٹلوں میں مزدوری کی اسے چائلڈ لیبر اور بچوں کو درپیش مسائل اور زیادتیوں کا ذاتی تجربہ تھا چنانچہ اس نے اپنے ناولوں میں کھل کر اس کے خلاف آواز اُٹھائی اور (Reform Laws) کے لیے راستہ ہموار کیا۔''[۴]

اس کے اسی پہلو کو دیکھ کر اس کے بائیوگرافر جان فاسٹر کا کہنا تھا کہ چارلس ڈکنز لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے اور ان کے دکھ اور سکھ سے پوری طرح واقف ہے۔ بنی نوع انسان کو درپیش مسائل سے آگاہ ہے اور اس کی کوشش ہے کہ ان کا ازالہ کیا جائے۔

چارلس ڈکنز کی کردار نگاری:

کردار نگاری چارلس ڈکنز کی سب سے بڑی صفت تھی۔ وہ کرداروں کی بنت اتنی ہنرمندی سے کرتا تھا کہ ان کے خارجی افعال اور داخلی نفسیات کھل کر سامنے آ جاتی تھی۔ وہ جو کھاتے تھے اس کی خوشبو، جس بُرے ماحول میں سانس لیتے تھے اس ماحول کی بدبو، قاری تک پہنچ جاتی تھی اور کردار پڑھنے والے کے سامنے آ کر باتیں کرنے لگتا تھا۔

بائیوگرافر جان فاسٹر کا کہنا ہے کہ وہ اپنے کرداروں کے بارے میں خود کچھ نہیں بتلاتا وہ کرداروں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خود اپنے بارے میں قارئین کو بتلاتے ہیں۔ پہلی کتاب 'پک وک پیپرز' سے لے کر آخری ناول تک اس کے بے شمار کردار مقبول ہو چکے ہیں ان کرداروں کے نام اور ان کی عادات انگریزی ادب کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ ٹائنی ٹم، جیکب مارے، اولیور ٹوسٹ، پپ سس ہویشم، ڈیوڈ کوپر فیلڈ، سموئیل پک وک، میکاربر، ڈورا، بیسٹی یہ سب کے سب مانے جانے کردار ہیں۔ ڈکنز نے زندگی کے دریا میں ڈوبتے اُبھرتے کرداروں کی تشکیل کی۔ ان کے مصائب، ان کی خوشیاں، چارلس ڈکنز کے تخیل اور اسلوب سے اس طرح اُبھری ہیں کہ وہ جاوداں بھی گئیں۔ ڈکنز کے پسندیدہ موضوعات لندن، لندن کے لوگ، لندن کی زندگی، انسان اس کے دکھ درد، اس کی زندگی کے نشیب و فراز خوشیاں کینگیاں سازشیں اور وہ سب کچھ جو انسان کر سکتا ہے۔

ڈکنز کا ناول ڈیوڈ کاپر فیلڈ:

ڈکنز کا یہ ناول ۱۸۴۹ء۔۱۸۵۰ء کے دوران منظر عام پر آیا یہ ناول ڈکنز کے فن کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ یہ ناول اپنے دور سے لے کر آج تک کے جدید تقاضوں کا آئینہ دار ہے اور اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کی بنا پر یہ ناول دُنیا کے صف اوّل کے ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا اپنا مخصوص مقام اور منفرد مزاج ہے اس ناول کی شہرت اور مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ نقادانِ فن اس ناول کو خود ڈکنز کی جزوی سوانح عمری قرار دیتے ہیں اس ضمن میں ناول کے دیباچے میں چارلس ڈکنز یہ لکھتے ہیں:

''اپنی تمام کتابوں میں سے یہ میری بہترین کتاب ہے جیسے والدین کو اپنی ساری اولاد سے محبت ہوتی ہے مگر کسی ایک بچے سے انہیں زیادہ چاہت ہوتی ہے اسی طرح اپنی تخلیقی اولاد میں سے مجھے سب سے زیادہ پیاری اولاد وہ ہے جس کا نام ڈیوڈ کاپر فیلڈ ہے۔''[۵]

اس ناول کی ہر دلعزیزی اور پذیرائی کی تیسری وجہ اس کی منفرد کہانی، کردار نگاری اور سب سے بڑھ کر حقائق کی

ترجمان معاشرت اور فکر ہے۔ یہ ناول مکمل ادبی شکل میں آنے سے پہلے ماہانہ بیس اقساط کی صورت میں ایک جریدہ میں مئی ۱۸۴۹ء سے نومبر ۱۸۵۰ء تک چھپتا رہا یہ ناول حقیقت نگاری اور واقعیت نگاری کا خوبصورت امتزاج ہے اس کی حقیقت نگاری کی نقادانِ فن نے خوب داد دی ہے۔ ارنسٹ اے بیکر اس ناول کے بارے میں یہ بیان کرتے ہیں:

> ''اس ناول میں ایک سچے حقیقت پسند ناول نگار کی حیثیت سے ڈکنز کا ظہور ہوتا ہے اس کے کردار اتنے ہی پائیدار ہیں جتنے کہ وہ زمین جس پر وہ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔''[۶]

اپنی حقیقت نگاری اور حقیقت پسندی ہی کی وجہ سے جب ۶۴ ابواب پر مشتمل یہ ناول جس جریدے میں چھپتا تھا اس کی اشاعت ۳۰ ہزار سے کم ہو کر ۲۵ ہزار ہو گی اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگ محض ہر قسط میں ڈرامائی کیفیت اور تفریح کے خواہش مند ہوتے البتہ بعد ازاں جب یہ کتابی صورت میں سامنے آیا تو اس کی اصل قدر و قیمت کا عوام کو احساس ہوا۔ بیسویں صدی سے لے کر اب تک حقیقت یہ ہے کہ ڈیوڈ کاپر فیلڈ ڈکنز کا سب سے زیادہ سراہے جانے والا ناول ہے اس ناول میں ہمیں جابجا ڈکنز کی زندگی کے عکس دکھائی دیتے ہیں۔

حواشی:

۱۔ احمد عقیل روبی، علم و دانش کے معمار، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۶۱

۲۔ میرا جی، مشرق و مغرب کے نغمے، کراچی: آج کی کتابیں، طبع دوم، نومبر ۱۹۹۹ء، ص: ۴۷۳

۳۔ مائیکل ہارٹ، سو عظیم آدمی، مترجم: عاصم بٹ، لاہور: تخلیقات ادب لاہور، فروری ۲۰۰۱ء، ص: ۲۰۱

۴۔ اشرف سلیم (ایڈیٹر)، مجلّہ ''دستاویز''، جلد دوم، شمارہ ۸، راولپنڈی، طبع ۱۹۹۲ء، ص: ۲۸۶

۵۔ محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر، تاریخ ادب انگریزی، شعبۂ تصنیف و تالیف: کراچی یونیورسٹی، کراچی، طبع اوّل، ۱۹۸۶ء، ص: ۴۹۱

۶۔ آرتھر، اے ہسٹری آف انگلش لٹریچر، لندن: تھامس نیلسن اینڈ سنز، ۱۹۸۰ء، جلد اوّل، ص: ۴۹۹

☆☆☆